ॐ

श्री मद्अष्टावक्र

गीता अनुवाद सहित

رنج و راحت کا تسلسل ہے بشر کی زندگی
بے تمنائی و بیخودی میں ہے راہِ مخلصی

پیامِ سالک

یعنی

اشٹاوکر گیتا کا اردو نظم میں ترجمہ مع شرح

مرتبہ

پنڈت دینا ناتھ مدن معجز دہلوی بی۔اے

ماہ ستمبر ۱۹۳۲ عیسوی

طبع اول ۵۰۰ جلد ——— حق تالیف محفوظ

قیمت فی جلد بلا محصول ڈاک عمر

دیباچہ اشٹاوکر گیتا

شری مد بھگوت گیتا کے منظوم اُردو ترجمہ المعروف مخزنِ اسرار کی تکمیل اور اشاعت کے بعد مؤلفِ ہیچمدان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ سالک گرامی قدر وحید العصر مہا منی اشٹاوکر کی تصنیف کردہ گیتا کو اُردو نظم کا لباس پہنائے اور شائقینِ علم توحید کو اُس بزرگ ہستی کی نادر اور دلکش رُوحانی تعلیم سے حتی المقدور آگاہ کرے چنانچہ اُس نے یہ مقصد پیش نظر رکھکر اشٹاوکر گیتا کے صحیفہ کو جو زبان سنسکرت میں منظوم ہے تمام و کمال پڑھا اور اس کے دقیق اور نازک مسائل پر صدقِ عقیدت سے غور کیا۔ ایسے کوشش کرنے سے جو مصنّف کے خیالات اُس کے دل پر نقش ہوئے اُن کا اظہار اُردو اشعار کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ یہ متبرک صحیفہ بھگوت گیتا کے زمانے سے یقیناً پیشتر تصنیف ہوا تھا کیونکہ اُس کے تیسرے باب کے بیسویں منتر میں راجہ جنک کا تذکرہ موجود ہے اور تاریخ بتلاتی ہے کہ راجہ جنک شری رامچندر جی کے خسر تھے۔ اِس اعتبار سے رامچندر اوتار اور کرشن اوتار کے درمیان جتنا عرصہ گزرا ہے اشٹاوکر گیتا کو بھگوت گیتا سے اتنی زیادہ قدامت حاصل ہے اِس خیال نے مؤلف کو اشٹاوکر گیتا کے منظوم ترجمہ اور تشریح کی جانب اور بھی شوق دلایا۔ اگرچہ اس کارِ خیر کو سرانجام دیتے ہوئے

مؤلف کو متواتر تفکرات پیش آئے مگر تائیدِ ایزدی اُس کے شاملِ حال رہی شکر کا مقام ہے کہ وہ تالیف اب ختم ہو کر ایک کتاب کی صورت میں ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے۔

پیشتر اس کے کہ اہلِ شوق اس اردو نظم کو ملاحظہ فرمائیں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعارف راجہ جنک اور مہامنی اشٹاوکر کی قابلِ تعظیم ہستیوں سے کرایا جائے جن کے مابین علمِ ذات کے متعلق سوال و جواب کے پیرایہ میں یہ مختصر مگر پُرمعنی تصنیف قلمبند ہوئی۔

قریباً چھ ہزار سال کا عرصہ ہوا کہ جب متھلا دیش (موجودہ اضلاعِ بہار) میں راجہ جنک حکمراں تھے اور وہ ایک شاندار سلطنت پر اقتدار رکھتے ہوئے طالبِ نجات اور فقیر دوست تھے اُن کی انصاف پسندی اور حق شناسی آج تک ضرب المثل ہے۔ انہی کی دخترِ نیک اختر سیتا جی جنہیں اہلِ ہنود عصمتِ نسواں کا مجسمہ مانتے ہیں۔ شری رامچندر جی کی عقدِ کتخدائی میں آئی تھیں۔ اس پاکدامن خاتون کے حالاتِ زندگی ایک تاریخی افسانہ ہیں جس سے ہر کس و ناکس کو واقفیت ہے اس لئے یہاں محتاجِ بیاں نہیں جیسا اوپر واضح کیا گیا راجہ جنک باوجود کاروبارِ سلطنت میں مصروف ہونے کے دُنیا کی بے ثباتی دیکھ کر دل سے مغفرت کے جویا تھے اور منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لئے اسی تلاش میں رہتے تھے کہ کوئی رہنمائے کامل مل جائے۔ اُنہوں نے اکثر عارفانِ وقت سے استصواب کیا مگر اُنکی تشفی نہیں ہوئی۔ سامانِ قدرت سے اُن کی ملاقات مہامنی اشٹاوکر سے ہوئی لیکن اس

وقت راجہ جنک اُس مرتاض کی ہیئت جسمانی دیکھکر یہ باور نہ کرسکے کہ وہ صاحب کمال ہیں اور چشم زدن میں طالب کو نجات دلا سکتے ہیں۔ اُن کی نگاہ اشٹاوکرجی کے جسم پر پڑی جس میں آٹھ کج مختلف اعضا میں موجود تھے (زبان سنسکرت میں اشٹ آٹھ کو کہتے ہیں اور وکر کے معنی کج ہیں۔ اس لحاظ سے یہ عارف اشٹاوکر نامزد ہوئے۔) اور اُنہوں نے خیال کیا کہ یہ شخص جسمانی نقائص سے مملو ہونے کے باعث صاحب کمال نہیں ہوسکتا اور راہ نجات نہیں بتا سکتا۔ اشٹاوکر مُنی روشن ضمیر تھے فوراً تاڑ گئے کہ راجہ جنک کو اس وجہ سے اُن کی رُوحانی طاقت پر اعتماد نہیں ہے۔ یہ سمجھکر اُنہوں نے راجہ مذکور کی توجہ اپنی جانب کھینچی اور اُسکی غفلت دور کرنے کے لئے فرمایا۔ اے عزیز چشم ظاہر بیں گوشت و پوست اور خط و خال کو دیکھتی ہے۔ نہ کہ رُوحِ انساں کو جس پر یہ غلافیں چڑھی ہوئی ہیں۔ اگر تجھے اُس روح کا دیدار مطلوب ہے تو اپنی چشمِ باطن وا کرکے میری ہستی کو علمِ اُلوہیت کے پایہ سے ملاحظہ کر۔ تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ رُوح جُملہ تعینات سے بری اور جُملہ نقائص سے ہمیشہ پاک ہے۔ اس حق الامر پہ یقین لا اور دُنیا کی مکروہات سے مخلصی حاصل کر۔ یہ بات سُن کر راجہ جنک خوابِ غفلت سے بیدار ہوا اور اُس نے مہامُنی اشٹاوکر کے سامنے زانوئے مُریدی تہ کیا اور اپنے شکوک رفع کرنے کو مُتواتر سوالات کئے۔ جو سوال سب سے پہلے کیا وہ عشق و فنا کی طریقت کے بارے میں تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنی ارادتِ صادق سے شریعت کی منزل طے

کرچکا تھا اس لئے طریقت کی تعلیم کا مستحق تھا۔ اس کے بعد حقیقت اور معرفت کی منازل رہ جاتی ہیں جنہیں وہ آئندہ سوال و جواب سے طے کرنا چاہتا ہے۔

مہاتمی اشٹاوکر موحد کامل ہوئے ہیں اس لئے کہ اُن کی چشم بصیرت کے سامنے دوئی کا حجاب حائل نہ تھا۔ اور وہ حیاتِ ابدی کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ اُن کا کلام بادۂ توحید سے سرشار ہے۔ ایسی صورت میں مترجم کا فرض ہے کہ وہ فراخدلی سے کام لے اور باریک و غور طلب مسائل کا بیان احتیاط سے کرے یعنی الفاظ کی موزونیت پر خاص توجہ دے ورنہ نفسِ مضمون کا خون ہو جانا بہت ممکن ہے۔ راقم الحروف نے اس امر کا جہاں تک ہو سکا لحاظ رکھا ہے۔ ناظرین اپنے مطالعہ سے اس کا اندازہ کر سکتے ہیں۔
موجودہ اردو زبان تصوف کے اصطلاحات کا سہارا لیے بغیر ایسے صحیفہ کے ترجمہ کا بار نہیں اُٹھا سکتی تھی۔ اس لئے ان کا استعمال میں لانا ضروری ہوا۔ ساتھ ہی یہ خیال رکھا گیا ہے کہ اُن کی مقدار ضرورت سے زائد نہ ہو تاکہ عبارت فصیح رہے اور مطالعہ کرنے والے مفہوم کو آسانی سے سمجھ سکیں +

اس متبرک صحیفہ کے چند ترجمے مولف کی نظر سے گزرے چنانچہ وہ اُن مترجموں کے خلوصِ عقیدت اور سعی بلیغ کا معترف ہے بخصوصاً اس خیال سے کہ اُنہوں نے استفادۂ عام کو مدنظر رکھ کے اپنی قابلیت اور کوشش سے اسکو فارسی، اردو، انگریزی اور بھاشا زبانوں کے سانچہ میں ڈھالا ہے، پھر بھی مولف کو اتنا عرض کرنا پڑتا ہے کہ اُن کے ترجموں میں مذکورہ بالا اُمور پر کافی غور نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے وہ آجکل جیسا چاہیے عوام کے مُفیدِ مطلب ثابت نہیں ہوتے۔

ناظرین کی واقفیت کے لئے اُن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

اوّل ترجمہ فارسی نثر میں غالباً مرتبہ رائے چندربھان کشمیری برہمن میر منشی شہزادہ داراشکوہ ہے جس کا ایک نسخہ جناب والدم رائے بہادر پنڈت جانکی ناتھ صاحب مدن کا ۱۷۸۱ء میں اپنی قلم سے تحریر کیا ہوا مؤلف کے پاس موجود ہے۔ یہ میر منشی صاحب فارسی زبان کی شاعری اور انشاپردازی میں اعلیٰ درجہ کی استعداد رکھتے تھے چنانچہ اُنہیں اسلامی حکومت سے ہندوئے فارسی داں کا خطاب ملا تھا اور وہ اُس وقت کے مشاہیر میں شمار کئے جاتے تھے۔ فارسی زبان اب اس مُلک میں قریباً مُردہ خیال کی جاتی ہے اس لئے کہ اُس کا رواج خاص علماء تک محدود ہے عام طور پر نہیں بولی جاتی۔ ایسی صورت میں وہ فارسی ترجمہ باوجود اپنی تمام خوبیوں کے عوام کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

دوسرا ترجمہ اُردو نثر میں مرتبہ منشی کیول کرشن ولد لالہ موتی لال صاحب کایستھ بھٹناگر متوطن حصار کا ہے جس کو انہوں نے ۱۸۶۹ء عیسوی میں تحریر فرمایا تھا۔ وہ اس کے دیباچہ میں بیان کرتے ہیں کہ یہ ترجمہ اصل سنسکرت سے بامداد پنڈت دوارکا داس گوڑ برہمن سکنہ کوٹ قاسم راج سوائی جیپور کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق دو امور قابل تذکرہ ہیں۔ اوّل یہ کہ منشی صاحب مذکور زبان سنسکرت سے خود آشنا نہ تھے۔ دوئم اُنہوں نے اس ترجمہ میں فارسی کے دقیق الفاظ اور انشاپردازی کی اتنی بھرمار کی ہے کہ معمولی اُردو داں کو اس کے سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے اور دلچسپی نہیں رہتی۔

تیسرا ترجمہ اشٹاوکر گیتا کا ۱۸۸۲ء عیسوی میں بمقام بمبئی شائع ہوا تھا۔

اس میں سنسکرت اشلوکوں کے علاوہ شری دشویشر جی کی سنسکرت ٹیکا اور شری پنیا میسر جی کی بھاشا ٹیکا موجود ہیں۔ واقعی یہ سنسکرت ٹیکا شارح کی علمیت اور نازک خیالی کا نتیجہ ہے اور علمائے سنسکرت کیلئے نادر تحفہ۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ وہ زبان بھی قدیم زبانوں کی فہرست میں داخل ہو گئی ہے۔ اس لئے وہ سنسکرت ٹیکا زمانۂ حال میں چنداں کارآمد نہیں ہے۔ البتہ بھاشا ٹیکا اُن لوگوں کے واسطے مفید ہے جو بھاشا جانتے ہیں اور اُردو داں اشخاص کے لیے جن کی تعداد اس وقت کثیر ہے سودمند نہیں۔ اس کتاب کے دیباچہ میں ایک اہل اسلام صاحب اپنا نام لیسر صالح محمد بیان کرتے ہیں اور پنڈت پنیا میسر جی کی علمی استعداد اور خود شناسی کا تذکرہ بحیثیت اُن کے شاگرد ہونے کے درج فرماتے ہیں ٭

چوتھا ترجمہ اُردو رباعیات کی شکل میں ہے جسے منشی بگا سنگھ صاحب درویش جاٹ سکھ متوطن قصبہ سودے کلاں ضلع لدھیانہ نے ۱۸۹۶ء میں تیار کرکے شائع کرایا اور تحفۂ درویش نامزد کیا۔ ان کی رباعیات درویشانہ جذبات کا قابل قدر نمونہ ہیں اور اُن کی راسخ الاعتقادی کا آئینہ۔ زباندانی کا پہلو ایسے کلام میں نظرانداز کیا جا سکتا ہے۔ اس ترجمہ سے کچھ اُردو جاننے والے مستفید ہوئے ہیں۔ لیکن بقول نسیمؔ "دریا نہیں کار حباب ساقی" ایک تازہ اور مکمل ترجمہ کی ضرورت باقی رہتی ہے ٭

پانچواں ترجمہ انگریزی زبان میں ہے جس کو لالہ سیجناتھ صاحب بی۔اے سشن جج بنارس نے ۱۹۰۶ء میں تیار کیا اور طبع کرایا تھا۔ مؤلف نے اس کے دیباچہ میں بڑی قابلیت اور وسیع النظری سے کام لیا ہے۔ اور

اشٹاوکرگیتا کے نفسِ مضمون پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ اس کے علاوہ وہ ترجمہ حشو وزوائد سے پاک ہے۔ انگریزی داں اصحاب کو اس کا مطالعہ ضرور مفید ثابت ہوگا۔

چھٹا ترجمہ وہ کتاب ہے جس کو ہیراج کرشن داس جی نے بمقام بمبئی سنہ ۱۹۳۱ء میں شائع کرایا۔ اس میں اشٹاوکرگیتا کے سنسکرت اشلوک اوپر اور اُنکی بھاشا ٹیکا نیچے موجود ہیں اور یہ بھاشا جاننے والوں کے لئے سب سے زیادہ مُفید ہے۔ اس قابل مترجم نے جُملہ مضامین کی شرح بخوبی کی ہے اور علم توحید کا اصول ہر مقام پر مدِنظر رکھا ہے۔ مؤلف کی خواہش ہے کہ بھاشا جاننے والے اس ناگری کتاب کے مطالعہ سے فائدہ اُٹھائیں اور اُردو داں اشخاص اشٹاوکرگیتا کے اس منظوم اُردو ترجمہ المعروف "**پیامِ سالک**" کو صدقِ عقیدت کے ساتھ پڑھیں۔ بے شک اُنہیں لُطفِ رُوحانی حاصل ہوگا۔ واضح رہے کہ مؤلف دیگر مترجموں پر معترض کی نظر سے نہیں دیکھتا بلکہ خلوصِ دل سے اُن کا تعارُف خاص وعام سے کرانا اپنا فرض سمجھتا ہے۔

اشٹاوکرگیتا کے فلسفہ پر تبصرہ کرنے سے پیشتر یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ہندوستان میں زمانۂ قدیم سے چھ فلسفے چلے آئے ہیں جنہیں یہاں کی چھ بزرگ ہستیوں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ان مرتاضوں نے وید اور اُپنشدوں کے مخفی اور باریک رموز کو اپنے اپنے نقطۂ خیال سے آشکارا کیا ہے اور دلائل کی مدد سے اُنہیں محفوظ و مستحکم بنایا ہے۔ فلسفوں کی یہ تقسیم نظامِ فطرت کے مُطابق ہے۔ جیسا کہ ذیل کے مختصر بیان سے ثابت

ہوگا:-

۱- نیائے شاستر حواسِ خمسہ کی گواہی کو معتبر مانکر عالم کی تقسیم رُوح اور مادّہ میں دکھاتا ہے۔ (گوتم رشی)

۲- پوروَمیمانسا دِل کی شہادت صحیح قرار دیکر غیب و شہود کے لحاظ سے عالم کی کیفیت ظاہر کرتا ہے (جیمنی رشی)

۳- ویشیشک شاستر پندارِ خودی پہ اعتبار کر کے سُکون و حرکت کی تفریق سے عالم کا عُقدہ کھولتا ہے (کنادرشی)

۴- یوگ شاستر عالم کے وجود کو خیال کا انتشار تسلیم کر کے یکسوئی خیال کو ذریعۂ نجات بتاتا ہے (پتنجلی رشی)

۵- سانکھیہ شاستر عقل کی رہنمائی کو دُرست مان کر حق و باطل کے امتیاز سے رازِ ہستی آشکار کرتا ہے (کپل مہامُنی)

۶- ویدانت شاستر علمِ عرفاں کی وسیع النظری پر اعتماد کر کے واجب الوجود کی وحدت ثابت کرتا ہے (وید ویاس مہرشی)

اشٹاوکر مُنی کی تلقین مؤخّر الذکر فلسفہ کی فہرست میں آتی ہے۔ اس میں جو رُوحانی ترقی کی منازل بیان کی گئی ہیں وہ معرفت کے اصُول پر مبنی ہیں۔ حواس دل اور عقل اُن کی صداقت کی معیار نہیں ہیں۔

زمانۂ حال میں نیائے۔ سانکھیہ اور ویدانت کے علاوہ دیگر شاستروں کے علماء اور پیرو کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ نیائے شاستر تثلیث کا قائل ہے چنانچہ اس میں مادّی تحقیقات پر روشنی ڈالی گئی ہے اور رُوح بشر کی مستقل ہستی

مانی گئی ہے۔ سانکھیہ شاستر کے معنی علمِ حقیقت ہیں جس کی رُو سے ذات اور صفات کے درمیان امتیاز موجود ہے۔ فی زمانہ انسانی احساس و جذبات کے متعلق جتنی تفتیش کی جاتی ہے وہ اس کے اصولِ دوئی پر مبنی ہے یہاں تک علمِ طبیعات کی رسائی ہے۔ ویدانت شاستر کو علمِ مابعدُ الطبیعات کہتے ہیں اسلئے کہ وہ اپنی جامعیت کے باعث عقلِ بشر کے تنگ پیمانے میں نہیں سما سکتا اس علم کی تحصیل کا ذریعہ ایک اشراقیہ قوت ہے جس سے ہر فردِ بشر لاعلمی کی حالت میں بھی مستفیض ہے۔ اس قوت کا ادراک مُرید کو کسی مُرشدِ کامل کے ارشاد سے ہوتا ہے اور وہ رفتہ رفتہ بالکل نمایاں ہو جاتا ہے۔ یہ شاہراہ علمِ معرفت موسوم ہے۔ اور اس کی منزلِ مقصود کو کمالِ انسانی کہتے ہیں۔

شاعری کے پایہ سے اشٹاوکر گیتا کا موازنہ کیا جائے تو یہ ایک بیش بہا الہامی تصنیف ہے جس میں بلاغت اور فصاحت کو درجۂ مساوات حاصل ہے یعنی خیال اور زبان کے پہلو یکساں حاوی نظر آتے ہیں۔ بلاغت کے ساتھ فصاحت کا قائم رہنا شاعری کا کمال مانا جاتا ہے۔

اشٹاوکر گیتا اس نظریہ کو بخوبی پورا کرتی ہے۔ اس میں نازک سے نازک خیال جو انسان کے دماغ میں داخل ہو سکتا ہے موجود ہے اس لئے اس کا مطالعہ اُن شاعرانِ زبانِ اردو کے لئے کارآمد ہے جو آجکل عامیانہ خیالات و جذبات کو بار بار نظم کرتے ہیں اور اس زبان کو قابلِ قدر وسعت نہیں دیتے۔ فصاحت ہر زبان کا جُداگانہ حصہ ہے اس لئے کسی مترجم کی کوشش اس کے متعلق اتنی ہی کامیاب ہو سکتی ہے جتنی اُسے اُس زبان میں جس میں ترجمہ کیا جائے

فصیح البیانی حاصل ہے۔

شاعر کا خاص جوہر موزوں تشبیہات کا مشاہدہ اور استعمال ہے چنانچہ اشٹاوکر مُنی نے اس چھوٹے سے صحیفہ میں مندرجہ ذیل تشبیہات سے کام لیا ہے۔ اِن کی موزونیت اور سادگی قابلِ غور ہیں۔

۱۔ کوزہ و گِل۔ زیور و طلا۔ صدف و نُقرہ۔ شکر و شیرینی۔ آب و شراب۔ دُود و خلا۔ خار و گُل۔ شجر و برگ۔ شیر و فیل۔ معصوم و بالغ۔

۲۔ دریا۔ موج۔ حباب۔ بحر۔ طوفان۔ کشتی۔

۳۔ آفتاب و ذرّہ۔ آئینہ و جلا۔ شخص و عکس۔ نور و جلوہ وغیرہ۔

بالعموم شاعری تین اصناف پر مشتمل ہے۔ اوّل مناظرِ فطرت کی مصوّری دویم جذباتِ انسانی کی ترجمانی۔ سویم اسرارِ غیب کا اظہار۔ اشٹاوکر مُنی کا شاعرانہ تخیّل تیسری صنف میں داخل ہے کہ وہ لسان الغیب کے درجہ پر سرفراز تھے۔ اُن کا کلام راحت انجام خاص طبائع کیلئے جاذب ہو سکتا ہے عوام سے اُس کی پسندیدگی کی اُمید نہیں کی جاتی۔ پھر بھی مؤلف اپنی اِس کوشش کو جو اُس نے ایک دیرینہ اور قابلِ تعظیم صحیفہ کو زبانِ مروّجہ کا جامہ پہنانے میں کی ہے رائگاں نہیں سمجھتا۔

غزل بطورِ تمہیدِ اشٹاوکر گیتا

زبان گنگ ہے تعریفِ لامکاں کیلئے ۔۔۔ خیال گُنگ ہے تفتیشِ بے نشاں کیلئے
مکین چاہیے آبادیٔ مکاں کیلئے ۔۔۔ نگاہ شرط ہے پیدائیٔ نشاں کیلئے

دل ایک شعبدہ گر ہے نشاطِ جاں کیلئے — کہ پتلیاں مری رہبر ہیں دو جہاں کیلئے
بہم ہیں کیف کے سامان قلبِ انساں میں — خودی یہاں کیلئے بیخودی وہاں کیلئے
نہاں ہے ظلمتِ سینہ میں شعلہ بارِ نفس — غلاف ہے شبِ دیجور کہکشاں کیلئے
فروغِ حسن ہے غارتگرِ نقابِ خودی — کہ پردہ درِ شبِ مہتاب ہے کتاں کیلئے
فلک پہ طائرِ قدسی کی ہے یہی کوشش — کہ لائے انجمِ شب تاب آشیاں کیلئے
زمیں پہ دانۂ ہستی نہ کیوں رہے گرداں — ہے آسیا کا مقدر جو آسماں کیلئے
یقیں کی راہ پہ چلنا بشر کو مشکل ہے — ہزار وسوسے ہیں طبعِ بدگماں کیلئے
متاعِ جاں کی حفاظت کو چشمِ رہزن ہے — وظیفہ ہوش ہے باطن کے پاسباں کیلئے
عنانِ صبر ہو جس ناخدا کے ہاتھوں میں — وہ جستجو نہیں کرتا ہے بادباں کیلئے
مئے فنا کے قدح کش ہیں اپنے حال میں مست — تلاش کون کرے عمرِ جاوداں کیلئے
سرورِ زینتِ دل ہے تو نورِ رونقِ چشم — وہی درست ہے جو چیز ہے جہاں کیلئے
جنہیں ہے فیضِ رسائی کا شوق دنیا میں — وہ چھوڑ جاتے ہیں کچھ نیکیاں نشاں کیلئے

بلند پایہ ہے خورشید جس کے سجدے میں
خمیدہ ہے سرِ معجز اُس آستاں کیلئے

معجز دہلوی

دیناناتھ مجروح دھلوی بی۔ اے

سوز اور ساز میں مصروف ہیں پروانہ و شمع
بزمِ فانی کا نظارہ ہے مقدر اپنا

فہرستِ مضامین

نمبر باب	نفی و اثبات	کلام	مضمون	تعداد اشعار	نمبر باب	نفی و اثبات	کلام	مضمون	تعداد اشعار
۱	–	مُرشد	تعلیمِ خودشناسی	۲۰	۱۱	[illegible]	مُرشد	ثباتِ عقل	۸
۲	+	مُرید	جلوۂ ذات	۲۵	۱۲	[illegible]	مُرید	جذبِ کامل	۸
۳	–	مُرشد	کرشمۂ صفات	۱۴	۱۳	+	"	عشقِ حقیقی	۷
۴	+	مُرید	علمِ اشراق	۶	۱۴	[illegible]	"	تسلیم و رضا	۴
۵	–	مُرشد	ذوقِ فنا	۴	۱۵	[illegible]	مُرشد	علمِ عرفان	۲۰
۶	+	مُرید	دیدارِ بقا	۴	۱۶	۰	"	کیفِ بیخودی	۱۱
۷	۰	"	محویت	۵	۱۷	[illegible]	"	استغنا	۲۰
۸	+	مُرشد	بند و نجات	۴	۱۸		"	روشن ضمیری	۱۰۰
۹	[illegible]	"	ضبطِ حواس	۸	۱۹		مُرید	راحتِ ابدی	۸
۱۰	–	"	سکونِ دل	۸	۲۰		"	حیاتِ جاوید	۱۴
									۲۹۸

ॐ

श्री मद अष्टावक्र गीता ॥

प्रथम प्रकरणम्

आत्मानुभवोपदेश :

شریمد اشٹاوکر گیتا

باب اوّل

تعلیم خودشناسی

जनक उवाच।

कथं ज्ञानमवाप्नोति कथं मुक्तिर्भविष्यति ।
वैराग्यं च कथं प्राप्तमेतद्ब्रूहि मम प्रभो ॥

راجہ جنک نے سوال کیا

(۱)
پیر مرشد کس طرح میں مغفرت حاصل کروں
منزلِ عشق و فنا کی راہ پر کیسے چلوں

شرح :- راجہ جنک ایک مرید کی حیثیت سے اپنے مرشد اشٹاوکر مُنی کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن سے راہِ نجات دریافت کرتا ہے اور اس راہ میں عشق و فنا کے نشانات سے واقف ہونا چاہتا ہے۔ وہ دُنیا کی بے ثباتی دیکھکر خودشناسی کا طالب ہے

اس لئے بہر نوع حقیقت اور معرفت کی تعلیم کا مستحق ہے ۔

अष्टावक्र उवाच ।

मुक्तिमिच्छसि चेत्तात विषयान्विषवत्त्यज ।
क्षमार्जवदयातोषसत्यं पीयूषवद्भज ॥ २ ॥

اشٹاوکر منی نے جواب دیا

نیش زن جذبوں سے بہرِ مغفرت دل کو بچا
نوش جاں کر صبر، ایثار، آشتی، صدق و صفا (۲)

شرح :- اشٹاوکر منی اُسے طالبِ صادق جان کر اُس کے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں ۔ اے عزیز اگر تجھے رُستگاری منظور ہے جملہ خواہشات نفسانی کو زہرِ قاتل سمجھ کر اُن سے اجتناب کر کہ یہ دل میں سرایت کر کے انسان کی رُوحانی موت کا باعث ہوتی ہیں ۔ رُوحانی موت کا مطلب حیاتِ ابدی کے علم و سرور سے محرُوم رہنا ہے ۔ ایسے مُہلک مرض سے بچنے کا طریقہ ضبطِ حواس ہے کہ اس پر کاربند ہونے سے دل شوق و نفرت اور بیم و امید سے پاک ہو جاتا ہے اور رُوحِ بشر کے وہ جوہر نمایاں کرتا ہے جن کی تفصیل صبر۔ ایثار۔ آشتی ۔ صدق اور صفا ہیں ۔ یہ اوصاف شروع میں تریاق کا کام دیتے ہیں اور آخر کار ایک انسانِ کامل کا خاصۂ طبعی بن جاتے ہیں ؛

न पृथ्वी न जलं नाग्निर्न वायुर्द्यौर्न वा भवान् ।
एषां साक्षिणमात्मानं चिद्रूपं विद्धि मुक्तये ॥३॥

تو نہیں ہے خاک، آب، آتش، و باد و خلا — بلکہ ان شکلوں میں تیرا نور ہے جلوہ نما (۳)

شرح:۔ زعمِ خودی کے باعث انسان اپنی ہستی کو پانچ عنصروں کا مجموعہ اور اُن کے جداگانہ خواص و افعال قرار دیتا ہے لیکن یہ خیال اُس کی نجات کی سدِّ راہ ہے۔ درحقیقت رُوح ایسی کثافتوں سے پاک اور عینِ علم و سرُور ہے +

यदि देहं पृथक्कृत्य चिति विश्राम्य तिष्ठसि ।
अधुनैव सुखी शांतो बंधमुक्तो भविष्यसि ॥ ४ ॥

جان سے ہمراز ہو تن کی محبّت چھوڑ دے
راحت و تسکین و آزادی کی صُورت دیکھ لے (۴)

شرح:۔ انسان اپنی عقل پر بھروسہ کر کے خود کو پابندِ تعیّنات مانتا ہے اور ہر شے میں صفتِ اتضاد کا مشاہدہ کرتا ہے۔ چنانچہ وہ جسم اور اس کے خواص لاغری و فربہی خوشرُوئی و بدصورتی اور سفید و سیاہ رنگت کو خود سے منسوب کرتا ہے۔ ایسے افکارِ باطل کی وجہ سے انسان کے لئے مغفرت کا دروازہ بند ہے۔ رُوح کو واحد لافانی اور جملہ تعیّنات سے بری تسلیم کرنا علمِ حقیقت ہے +

नत्वं विप्रादिको वर्णो नाश्रमी नाक्षगोचरः ।
असंगोऽसि निराकारो विश्वसाक्षी सुखी भव ॥५॥

صُورت و سیرت سے بالا قوم و ملّت سے بری
تو ہے بے نام و نشاں عالم تری جلوہ گری (۵)

شرح:۔ انسان آپ کو دُنیائے احساس میں مُقیّد اور قوم و ملّت سے وابستہ جانکر کسی خاص طرز پر زندگی بسر کرتا ہے۔ یہ خیال بھی اُس کے حصولِ نجات کا

مانع ہے کہ در اصل رُوح بشر بے لوث اور بے نشان ہے اور قوم و ملت جیسے
مُختلف او صاف تغیر پذیر نشانات کی مانند ہیں۔ بے نشان پر نشانات
کی پابندی عاید کرنا غلط ہے۔ ایسے توہّمات سے بریت حاصل کرنا علم معرفت
ہے ٭

धर्माधर्मौ सुखं दुःखं मानसानि न ते विभो ।
न कर्तासि न भोक्तासि मुक्त एवासि सर्वदा ॥६॥

دل کی لائیں ہیں نیکی وبدی رنج و خوشی
(۶)
فعل و ثمرہ سے تجھے حاصل ہے دائم مُخلصی

شرح:۔ اعمال میں نیکی وبدی کا امتیاز اور اُنکے نتائج میں آرام و تکلیف کا فرق ظاہر
ہے۔ اشٹاوکر مُنی فرماتے ہیں کہ ہر دو فروعات کو ایسا تضاد کی موجودگی میں قیام
حاصل نہیں ہے۔ ان سب تعلقات سے روح انسان پاک اور بے زوال ہے٭

एको द्रष्टासि सर्वस्य मुक्तप्रायोऽसि सर्वदा ।
अयमेव हि ते बंधो द्रष्टारं पश्यसीतरम् ॥ ७ ॥

ایک تو ہے سب کا ناظر اور ہر دم رستگار
(۷)
راز پابندی ہے تیرا ماسوا پر اعتبار

شرح:۔ عقل ماسوا پر اعتبار کرتی ہے اس لئے قابل تسلیم نہیں۔ جان کا علم
جان ہی کو ہوتا ہے کہ وہ علم جملہ معقولات کو روشنی عطا کرتا ہے۔ ایسی صورت
میں عقل سے جان کا ادراک ممکن نہیں۔ اس مقصد کے لئے علم ذات حاصل
کرنا کافی اور ضروری ہے ٭

अहं कर्त्तेत्यहंमानमहाकृष्णाहिदंशितः ।
नाहं कर्त्तेति विश्वासामृतं पीत्वा सुखी भव ॥८॥

ڈس رہا ہے تجھکو کالا بنکے پندارِ خودی
(۸)
بیخطرہ پیکے تریاقِ سُرورِ دائمی

شرح:۔ زعم خودی ایک کالا سانپ بنکر حیاتِ انسانی کو ہر وقت ڈستا ہے اور اُس کا زہر خوفِ مرگ کی شکل میں پھیلتا ہے۔ طالبِ نجات کو واجب ہے کہ وہ بیخودی کے آبِ حیات کو مُنھ سے لگائے اور خوفِ مرگ سے آزاد ہوجائے۔

एको विशुद्धबोधोऽहमिति निश्चय वन्हिना ॥
प्रज्वाल्याज्ञानगहनं वीतशोकः सुखी भव ॥ ९ ॥

"عین دانائی ہوں میں" اس آتشِ تحقیق سے
(۹)
بیشۂ غفلت جلا کر راہِ اطمینان لے

شرح:۔ لاعلمی وہ گھنا جنگل ہے جس میں روحِ بشر بھٹکتی ہوئی علم و سکون کی منزل تک نہیں جاسکتی۔ رہروِ معرفت کو چاہئے کہ وہ جذبِ کامل کی آگ سے اِس جنگل کو جلا کر اپنے لئے راستہ نکالے۔

यत्र विश्वमिदं भाति कल्पितं रज्जुसर्पवत् ।
आनंदपरमानन्दः स बोधस्त्वं सुखं चर ॥ १० ॥

مار کی صورت ہے عالم تو ہے اصلِ ریسماں
(۱۰)
تیری ہستی منبعِ علم و سُرورِ جاوداں

شرح:۔ خیال کے انتشار نے عالم کی شکل اختیار کی ہے اس لئے عالم کا وجود ایسا ہے جیسے کوئی شخص رسّی کو دیکھکر سانپ کا دھوکہ کھاتا ہے۔ رسّی کا ہونا واقعی ہے اور سانپ کا شک مفروض۔ یقین کو چھوڑ کر واہمات کی طرف توجہ کرنا غلطی ہے۔ جب تک فرع پر نظر ہے بیقراری رفع نہیں ہوتی۔ اصل کے دیدار سے راحتِ جاوید نصیب ہوتی ہے ؛

मुक्ताभिमानी मुक्तो हि बद्धो बद्धाभिमान्यपि ।
किं वदंतीह सत्येयं या मतिः सा गतिर्भवेत् ॥११॥

زعم پابستہ ہے آزادی ہے بیخود کے لئے
(۱۱)
زندگی ویسی ہے جیسا جس نے سمجھا ہے اِسے

شرح:۔ کیفِ بیخودی نجات کی صورت ہے اور پندارِ خودی پابندی کی شکل یہ دونوں حالتیں بشر کے اپنے یقین کا نتیجہ ہیں۔ اس لئے وہ جیسی کیفیتِ قلبی میں اس دُنیا سے گزرتا ہے بند و نجات کا مستوجب ہوتا ہے ؛

आत्मा साक्षी विभुः पूर्ण एको मुक्तश्चिदक्रियः ।
असंगो निःस्पृहः शांतो भ्रमात्संसारवानिव ॥१२॥

عین علم و عین راحت بے نیاز و بے نشاں
(۱۲)
نورِ ذاتِ پاک کا اِک شعبدہ ہے یہ جہاں

شرح:۔ ذاتِ پاک اُسے کہتے ہیں جو بے نام و نشاں اور مصدرِ علم و سُرور ہے۔ جُملہ ہستی میں نام و نشان پائے جاتے ہیں اس لئے وہ بے ثبات اور باطل ہے ؛